گم رضائش در رضائے مصطفےٰ
زین سبب شد نام و احمد رضا

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام احمد رضا
پر
تین سوالات اور ان کے جوابات

تحریر:
رئیس التحریر علامہ سید شبیر احمد ہاشمی مرکزی جائنٹ
سیکرٹری جمعیت علماء پاکستان
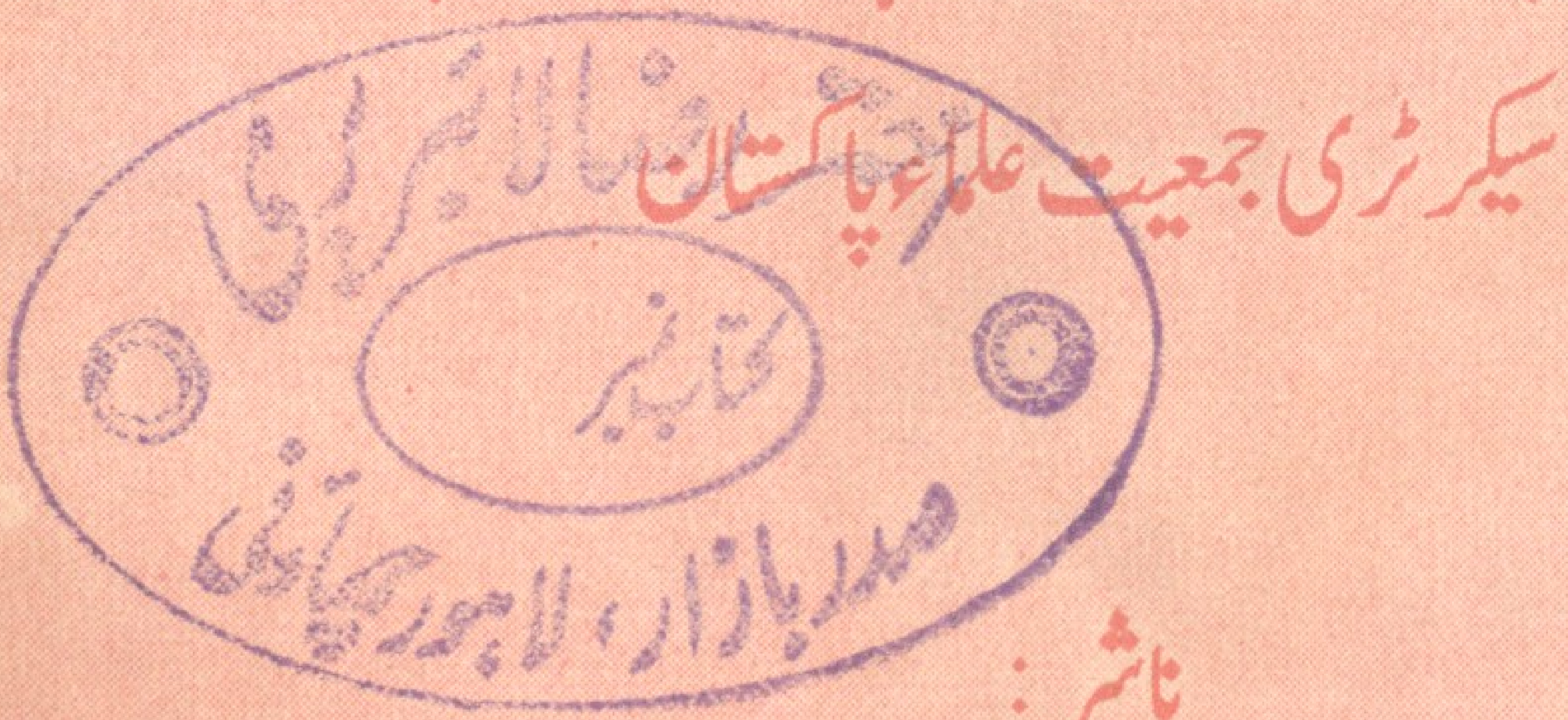
ناشر:
الفہیم پبلی کیشنز
19 فسٹ فلور اچھرہ شاپنگ سنٹر، فیروز پور روڈ، لاہور

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نسبتاً پٹھان، مسلکاً حنفی، مشرباً قادری اور (ماخوذ اخبار "جنگ" ۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء) مولداً بریلوی تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ (م۔ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) اور جد امجد مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمہ (م۔ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) بلند پایہ عالم اور صاحب دل بزرگ تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت دس ۱۰ شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی (روہیل کھنڈ) میں ہوئی۔ آپ کا اسم شریف "محمد" رکھا گیا اور تاریخی نام المختار (۱۲۷۲ھ) جد امجد مولانا رضا علی خان علیہ الرحمہ نے احمد رضا نام تجویز فرمایا بعد میں خود فاضل بریلوی نے اپنے اسم گرامی کے ساتھ عبدالمصطفیٰ کا اضافہ فرمایا جس سے سرکار دو عالم ﷺ سے نسبت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے چنانچہ اپنے نعتیہ دیوان میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

؎ خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ

تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

فاضل بریلوی نے علوم فقول و منقول کی تحصیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں رحمتہ اللہ علیہ سے فرمائی۔ آپ کے علاوہ مولانا ابو الحسین نوری مارہروی، علامہ عبدالعلی رامپوری اور مرزا غلام قادر بیگ وغیرہم سے بھی استفادہ فرمایا۔ بہر کیف تیرہ چودہ سال کی عمر شریف میں ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء کو فارغ التحصیل ہوگئے اور اس دن رضاعت کے بارے میں ایک استفتاء کا جواب تحریر فرما کر فتویٰ نویسی کا آغاز فرمایا، اس کے بعد والد ماجد علیہ رحمہ نے افتاء کی ساری ذمہ داریاں آپ کو تفویض فرما دیں۔

فاضل بریلوی ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں والد ماجد کے ہمراہ حضرت شاہ آل رسول

مارہروی رحمتہ اللہ علیہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور تمام سلاسل میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء فاضل بریلوی نے شیخ طریقت کی منقبت میں ایک قصیدہ تحریر فرمایا ہے جس کا مطلع ہے۔

خوشا دے کہ دہندیش ولائے آل رسول

خوشا سرے کہ کنندش خدائے آل رسول

۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء میں والد ماجد علیہ الرحمہ کے ہمراہ زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ اس موقع پر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ روانگی کے وقت ایک نظم تحریر فرمائی تھی جو واردات وکیفیات قلبیہ کا آئینہ ہے اور جس کے حرف حرف سے عشق ومحبت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ اس نظم کا مطلع ہے۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

اس سفر مقدس میں حرمین کے اکابر علماء مثلاً مفتی شافعیہ سید احمد دحلان اور مفتی حنفیہ عبدالرحمن سراج رحمتہ اللہ وغیرہ سے حدیث، تفسیر اور فقہ واصول فقہ میں سندیں حاصل کیں اور سفر میں حرم شریف میں نماز مغرب کے بعد ایک روز امام شیخ حسین بن صالح علیہ الرحمہ بغیر کسی سابقہ تعارف کے بیاختہ آگے بڑھ کر فاضل بریلوی کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور اپنے ساتھ گھر لے جاتے ہیں۔ فرط محبت سے دیر تک آپ کی پیشانی دیکھتے رہتے ہیں اور پھر جوش عقیدت میں فرماتے ہیں۔

انی ناجو نور اللہ من ھذا الجبین

بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں

واقعہ مذکورہ کے بعد شیخ حسین بن صالح نے صحاب صتہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے عنایت فرمائی اور آپ کا نام ضیاء الدین احمد رکھا۔

۱۳۲۳ھ میں فاضل بریلوی دوسری بار حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے اس موقع پر جو نظم لکھی تھی اس کا مطلع ہے۔

؎ شکر خدا آج گھڑی اس سفر کی ہے

جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے

اس سفر میں بھی علمائے حجاز نے بڑی قدرو منزلت فرمائی نہ صرف علمائے حجاز بلکہ بیک وقت دیگر مسلم ممالک اور ہندوستان کے علماء کی اکثریت آپ کے شجر علمی کی معترف بھی تھی پاک و ہند کے مشہور شاعر اور مفکر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ آپ کے معاصرین میں تھے اور آپ کو قدرو منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کی فتاویٰ ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں شجر علمی کے شاہد عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں۔ لہذا انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑی بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خاں گویا اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ہوئے۔

یہ آفتاب شریعت و ماہتاب طریقت ۲۵ صفر المظفر، ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو نماز جمعہ کے وقت بریلی شریف میں غروب ہو گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برصغیر کی دینی اور سیاسی تاریخ خونچکاں ہے کہ حقائق کو مسخ کر کے غلط افکار کو حقیقت کے جامہ میں سینہ تاریخ پر پھیلایا گیا انہیں خوچکاں حقائق میں ایک حقیقت گزشتہ اور موجودہ صدی کے مجدد برحق، عالم ربانی، نائب غوث صمدانی حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات اقدس ہے۔ان کا جرم صرف یہ ہے کہ انہوں نے عقیدہ، مسلک، مذہب، شرب کی وہی تعبیر اور تفسیر فرمائی جو سلفاً خلفاً امام اعظم سیدنا امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے لے کر آج تک موجود تھی۔ انہوں نے استعماری قوتوں س مصالحت کا جرم نہ کیا امام احمد رضا نے دین و مذہب کی تعبیر و تشریح میں ایک بلند آہنگ، حق کو عالم ربانی کے فرائض ادا کیئے۔ مصلحت آمیزی کے پردے چاک کیئے عظمت اسلام کو ظلمت کدہ ہند میں محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جگمگ جگمگ کرتی حقیقتوں سے مزین فرما کر پیش فرمایا۔ یہ ایسا جرم تھا جس کو استعماری ذہنیت نے ہضم نہ کیا۔ اس کے جواب میں اس مصلح اعظم، مفکر، مفسر، شارح کتاب و سنت، ترجمان حقیقت امام کو تنقید بلکہ تنقیص کے خنجر سے بسمل کیا گیا۔ حکومتی بجٹ، ہندو کا سرمایہ، منبر و محراب کی قوتیں اس ایک فرد کے خلاف استعمال کی گئیں۔ پروپیگنڈہ کا گرد و غبار یوں اٹھایا گیا کہ جس میں امام احمد رضا کی درخشاں شخصیت کو چھپانے کی انتھک محنت کی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم، رؤف الرحیم ﷺ کی محبتوں کے سرکاری وکیل جناب امام احمد رضا کو ہر آنے والی گھڑی میں نکھر کر سامنے آنے کا شرف عطا فرمایا امام احمد رضا نے محبت مصطفےٰ کی جنگ اتنے گھمسان سے لڑی کی غنیم بکھر کر رہ گئی۔ دشمن کی فوجیں تتر بتر ہو گئیں۔ الفاظ و معانی کا جہاں اس حقیقت آشنا امام کے حقیقت پسندانہ نعرے کے سامنے اپنی ساری قوتیں کھو بیٹھا۔ امام احمد رضا نے للکار کر کہا۔

؎ یہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدد کے سینے میں غار ہے

کسے چارہ جوئی کا وار ہے، یہ وار وار سے پار ہے

ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۷۰۲ء میں وارد ہندوستان ہو چکی تھی۔ اس کی سازشیں اپنا رنگ لا چکی تھیں۔ سکھوں کے خلاف جہاد کے نام پر انگریزی استعمار کی تقویت کے لئے ایک سیاسی کھیل کھیلا جا چکا تھا۔ سانحہ بالا کوٹ کو شیخ محمد اکرام مصنف موج کوثر ابو الحسن علی ندوی، مولانا غلام رسول مہر وغیرہ اہل قلم نے انگریزی استعمار کے خلاف ایک جدوجہد قرار دینے کے لئے بے پر کی اڑائیں۔ تاریخ کا منہ کالا کیا۔ حقائق کو کچلا لیکن ابھی حال میں ہی لاہور سے شائع ہونے والی کتاب "تاریخ تلونیاں" نے سانحہ بالا کوٹ کے حقائق واضح کر دیئے ہیں کہ یہ حادثہ بھی انگریز ہی کی سازش تھا اور سکھوں کے نام پر مسلمانوں کا قتل اس سانحہ کی اصل منزل تھا۔ اس سانحہ کے فوراً بعد عقائد پر تغیر کی ایک لہر چلی اور نوبہ نو عقیدے پیدا ہوئے۔ مثلاً

عقیدہ نمبر ۱:- غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول ﷺ کو ہے ایسا علم زید و عمر بچوں اور پاگلوں کو، بلکہ تمام جانوروں کو حاصل ہے۔ رسول کی تخصیص نہیں۔

(حفظ الایمان ص ۸ مولوی اشرف علی تھانوی ناشر کتب خانہ اشرفیہ دیوبند)

عقیدہ ۲:- حضور نبی کریم ﷺ کو آخری نبی سمجھنا عوام کا خیال ہے۔ اہل علم کا نہیں۔

(تحذیر الناس صفحہ ۳، مولوی محمد قاسم نانوتوی ناشر کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

عقیدہ نمبر ۳:- حضور نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو جائے تو پھر بھی خاتمیت محمد میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

(تحذیر الناس صفحہ ۲۵ مولوی محمد قاسم نانوتوی)

عقیدہ نمبر ۴:- شیطان و ملک الموت کو تمام روئے زمین کا علم ہے اور حضور ﷺ

کے علم سے زیادہ ہے۔

(براہین قلعہ صفحہ ۵۵ مولوی خلیل احمد امبیٹھوی ناشر کتب خان امدادیہ دیوبند)

عقیدہ نمبر ۵ :- نماز میں حضور ﷺ کے خیال گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوبنے سے برا ہے۔

(صراط مستقیم صفحہ ۹۷ مولوی اسمٰعیل دہلوی، ناشر کتب خانہ اشرفیہ دیوبند)

عقیدہ نمبر ۶ :- ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

(تقویۃ الایمان صفحہ نمبر ۱۳ مولوی اسمٰعیل دہلوی، ناشر کتب خانہ اشرفیہ دیوبند)

عقیدہ نمبر ۷ :- سب انبیاء و اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں۔

(تقویۃ الایمان صفحہ نمبر ۵۳)

عقیدہ نمبر ۹ :- حضور ﷺ کا یوم میلاد منانا کنھیا کے جنم دن منانے کی طرح ہے۔

(براہین قاطعہ صفحہ نمبر ۱۵۲، خلیل احمد انبیٹھوی، ناشر کتب خانہ امدادیہ دیوبند)

عقیدہ نمبر ۱۰ :- رسول ﷺ کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔

براہین قاطعہ صفحہ نمبر ۵۵)

عقیدہ نمبر ۱۱ :- رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(تقویۃ الایمان صفحہ نمبر ۵۰)

ایسے عالم میں اللہ تعالیٰ نے اس عظیم مصلح کو قلم کی قوت عطاء فرمائی جس نے ان افکار باطلہ کے پرخچے اڑا دیئے اور بازو لہرا کر نعرہ حق بلند کیا۔

ؔ یہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر علیہ الرحمہ اعتراضات کی ایک لمبی قطار استعماری منبر و محراب سے مرتب کر دی گئی ہے لیکن ہم آج کی محفل میں صرف تین اعتراضات کا

جائزہ لیں گے اور اس پر اپنی گذارشات پیش کرینگے۔

سوال نمبر ۱:- امام احمد رضا انگریزوں کے ایجنٹ تھے کہ انہوں نے اعلام الاعلام بان ہندوستان دار السلام میں ہندوستان کو دار السلام قرار دیکر انگریزوں کی حمائت کی۔

سوال نمبر ۲:- امام احمد رضا نے فرقہ واریت کو فروغ دیا اور آج مسلمان جو فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اس کی تمام تر ذمہ داری امام موصوف پر عائد ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۳:- امام احمد رضا ہندوستان میں تمام قومی تحریکوں سے الگ تھلگ، رہے اس لئے انہوں نے قومی خدمت سے گریز کر کے مسلمانوں پر زیادتی کی۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر یہ اعتراض کہ وہ انگریز کے ایجنٹ تھے، اتنا بودا، بے وقعت، بے وزن اور فضول ہے جسے پڑھ کر علم و دانش سے آراستہ ہر شخص معترض کی علمی بد نیتی کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ امام احمد رضا نے اپنے رگوں میں جنرل بخت خاں کا شرارہ حریت اور اپنے دادا حضرت مولانا کاظم علی خاں کا جہاد حریت ورثہ میں پایا تھا۔ انگریز کی آمد کے ساتھ امام احمد رضا بریلوی کے دادا مولانا کاظم علی خاں جنرل بخت خاں کی باغی فوجوں کے جنرل تھے۔ انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے وجود کو ہی تسلیم نہیں کیا تھا۔ آپ کے والد رئیس المتکلمین حضرت مولانا علی نقی خاں مسند ارشاد علیہ الرحمہ و فتویٰ پر تشریف فرما ہونے کے ساتھ انگریزی استعمار کے خلاف ر تحریک کے بانیوں میں شامل تھے۔ امام احمد رضا پر یہ اعتراض کہ انہوں نے اپنی کتاب میں ہندوستان کو دار السلام قرار دیا اس لئے وہ انگریز کے ایجنٹ تھے، یہ کہنے والوں نے اپنے گریبان میں نہیں جھانکا برصغیر کے تمام اہل علم انگریزوں استعمار کے قبضہ کے باوجود ہندوستان کو دار السلام قرار دے رہے تھے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمایئے چند حقائق۔

دیوبندی جماعت کے خطیب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی کا ایک سوال پر فتویٰ ہند کے دار الحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے۔ بظاہر تحقیق حال بندہ کو خوب

نہیں ہوئی حسب اپنی تحقیق کے سب سے فرمایا ہے اور اصل مسئلہ میں کسی کو خلاف نہیں اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ (فتویٰ رشیدیہ صفحہ نمبر ۱۸۲ مطبوعہ کراچی)۔

اس فتویٰ میں واضح ہے کہ ہندوستان کو دار الحرب کہنے پر علماء کا اجماع نہیں رہے۔

جس کا صاف مطلب ہے کہ کچھ علماء اس وقت ہندوستان کو دار السلام کہتے تھے اور کچھ ادار الحرب۔ اگر وہی معیار بنایا گیا کہ دار السلام کہنے والے علماء انگریز کے ایجنٹ ہیں تو پھر بتایا جائے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کیا ہیں -ان کا مبلغ علم کوتاہ ہے۔ اس لئے وہ کسی فیصلہ پر پہنچنے کی پوزیشن میں نہیں لیکن دار الحرب بہر حال وہ بھی نہیں کہ رہے۔ مولانا گنگوہی کے ماننے والے حضرات خود تو کسی فیصلے پر نہیں پہنچے اور احمد رضا پر ان کا یہ اعتراض سوائے بغض کے کیا ہے ؟

علماء اہلحدیث کی پوری جماعت ہندوستان کو اتفاق رائے سے دار السلام قرار دیتی ہے۔ چنانچہ مولانا ابو السعید محمد حسین بٹالوی نے اپنے مشہور عام رسالہ الا قتصاد فی مسائل الجہاد میں ثابت کیا ہے کہ انگریز گورنمنٹ کے باوجود ہندوستان دار السلام ہے۔ اس میں انگریز کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں وہ علماء اہلحدیث کی پوری جماعت کو کیا فرمائیں گے کیونکہ اس مسئلہ میں علماء اہلحدیث میں کوئی اختلاف ہی نہیں صرف ایک فتویٰ اسی رسالہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

تیسرا مسئلہ جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ وہ شہر یا ملک دار الحرب نہیں کہلاتا پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو، اقوام غیر نے اس پر تقلب سے تسلط پالیا ہو (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اس میں ادائے شعائر اسلام کی آزادی ہے وہ بحکم حالت قدیم دار السلام کہلاتا ہے

اور اگر وہ قدیم سے اقوام غیر کے قبضہ و تسلط میں ہو مسلمانوں کو ان لوگوں کی طرف سے ادائے شعائر مذہبی کی آزادی ملی ہو تو وہ بھی دار السلام اور کم سے کم دار السلام و الامان کے نام سے موسوم ہونے کا مستحق ہے۔ ان دونوں حالتوں اور ناموں کے وقت اس شہر یا ملک پر مسلمانوں کو چڑھائی کرنا اور اس کو جہاد مذہبی سمجھنا جائز نہیں ہے اور جو مسلمان اس ملک یا شہر میں باامن رہے ہوں ان کو اس ملک یا شہر سے ہجرت کرنا واجب نہیں بلکہ اور ملکوں یا شہروں سے (متبرک کیوں نہ ہوں) جہاں ان کو امن و آزادی حاصل نہ ہو ہجرت کر کے اس ملک میں آرہنا موجب قرب و ثواب ہے۔

(رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد صفحہ نمبر ۹ امطبہ وکٹوریہ پریس)

اس فتویٰ کو ملاحظہ فرمائے اس میں علماء اہلحدیث نے ہندوستان کو نہ صرف دار السلام قرار دیا بلکہ دار السلام قرار دے کر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کے لوگوں کبھی اگر وہاں غیر اقوام تسلط کرلیں، ہندوستان میں آکر رہنا متبرک قرار دیا۔

اب معترفین علماء اہلحدیث کے بارے میں بھی اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔

مسلک اہلحدیث کے سب سے بڑے مصنف علامہ نواب سید صدیق الحسن بھوپالی کی کتاب ترجمان وہابیہ ۱۳۱۲ھ کو مطبوعہ محمدی لاہور سے چھپی جو ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے ہر صفحہ پر کم از کم تین دفعہ انگریزی گورنمنٹ سکول کو اپنی گورنمنٹ، دولت عالیہ برٹش، عالی مقام گورنمنٹ ہند اور مخالفوں کو باغیان سرکار انگریزی تحریر کیا ہے۔ یہ پوری کتاب اس مسئلہ سے لبریز ہے کہ ہندوستان دار السلام ہے۔ انگریزوں کی حمائت واجب ہے۔ بغاوت حرام ہے۔ ہجرت جائز نہیں ہے اور ہندوستان نہ صرف دار السلام بلکہ دار السلام ہے۔

اگر ایسے عالم میں امام احمد رضا خاں بریلوی نے صرف شرعی مسئلہ کو بناء پر رسالہ اعلام اعلام بان ہندوستان دار السلام تحریر فرمایا اور اس میں صرف مسئلہ سود کی شرعی

حیثیت کو بیان فرمایا کہ فقہ حنفی کی مستند کتب میں مرقوم ہے کہ دارالحرب میں سود لینا حربی کافر سے جائز ہے کیونکہ وہ سود نہیں بلکہ مال غنیمت ہے۔ امام موصوف سے پوچھا گیا کہ ہندوستان میں سود لینا کیسا ہے تو آپ نے صرف نفس مسئلہ واضح فرمایا کہ ہندوستان دارالحرب نہیں ہے اور اس میں سود لینا جائز نہیں ہے۔ امام کے ذہن میں تھا کہ ہندوستان اسلامی سلطنت ہے۔ ایک ہزار سال کے قریب فقہ حنفی اس کا پبلک لاء رہا ہے۔ اب ہندوستان انگریزوں کے پاس غصب شدہ مال کے طور پر ہے اور غصب شدہ چیز کا غاصب مالک نہیں ہوتا اس لئے ہندوستان کو دارالحرب قرار دینا امام کے نزدیک انگریزوں کے حقوق ملکیت تسلیم کرنے کے مترادف تھا۔ اس لئے دارالسلام قرار دیکر دراصل انگریزوں کی مخالفت کا اعلان تھا نہ کہ حمائت کا۔

حرف آخر کے طور پر دانش سے خالی دانشوروں سے یہ گزارش کرنا بھی فاد سے خالی نہ ہوگا کہ تحریک دیوبند کے سرخیل مولانا اشرف علی تھانوی تو باقاعدہ ہندوستان کو دارالسلام قرار دینے کے لئے مبوط فتویٰ صادر کر چکے ہیں۔ لاہور سے کئی انجمنوں نے امام احمد رضا اور مولانا تھانوی کے فتووں کو یکجا شائع کیا ہے۔

دوسرا سوال

امام احمد رضا پر دوسرا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرقہ واریت کو فروغ
آیئے ذرا اس سوال کا جائزہ لیں اور مکرو فریب کے گریبان چاک کریں سب سے
برصغیر میں فرقہ واریت کی تاریخ پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ تاریخی حقائق یہ ہیں
برصغیر پاک و ہند میں اسلام فاتحہ کی حیثیت پہلی صدی ہجری میں حضرت محمد بن قا
کے ذریعے داخل ہوا اور اسلامی سلطنت کا فانوس ہندوستان میں بہادر شاہ ظفر تک
روشن رہا گویا پہلا اسلامی حکمران محمد بن قاسم اور آخری بہادر شاہ ظفر یہ تقریباً نو سو س
کا عرصہ بنتا ہے اس عرصہ میں غزنوی، چوغطے، لودھی، مغل، خاندان غلاماں و
ہندوستان ہوئے اور تخت دہلی پر براجمان رہے۔ ان سب نے فقہ حنفی کو اپنا پبلک لا
قرار دیا۔ بہادر شاہ ظفر کی سلطنت کا سقوط ۱۸۵۶ میں مکمل ہو گیا اس لمبے عرصہ میں
۱۸۲۲ء سے فرقہ واریت کی پیدائش ہوئی۔ اس سے پہلے ۱۶۱۹ء میں ہندوستان میں
جہانگیر کا اقتدار تھا کہ نور جہاں نامی ایک شیعی خاتون اس کے حرم میں داخل ہوئی
یوں شیعہ فکر پہلی مرتبہ ہندوستان میں آیا لیکن کوئی بڑا خلفشار پیدا نہ ہو سکا کیونکہ شیعہ
اور سنی اختلافات میں کوئی ابہام، پردہ، ہم آہنگی اور ہم نوائی کبھی نہیں رہی۔

فرقہ واریت کو اس وقت محسوس کیا گیا جب ۱۸۲۲ء میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کی
کتاب تقویۃ الایمان منظر عام پر آئی جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تصنیف کتاب التوحید
کا خلاصہ تھی۔ برصغیر چونکہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے نقطہ نظر سے سخت اختلاف
رکھتا تھا۔ اسلئے ہندوستان میں فرقہ واریت کی آگ بھڑک اٹھی۔ سب پہلے خاندان ولی
اللہ کے عظیم عالم دین حضرت شاہ مخصوص اللہ دہلوی، جو شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ
رفیع الدین کے صاحبزادے تھے، نے اپنے چچا زاد مولوی اسمٰعیل دہلوی، جو شاہ

عبد الغنی کے فرزند تھے کے ان خیالات سے بھر پور اختلاف فرمایا۔ ربیع الاخر ۱۲۴۰ھ
میں جامع مسجد دہلی میں علماء کے عظیم الشان احتجاج میں اس کتاب کو رد کر دیا گیا، اس
محفل میں شاہ مخصوص اللہ دہلوی نے اس کتاب کا نام تقویۃ الایمان کی بجائے تفویۃ
الایمان رکھا اور اس کتاب کے جواب میں اپنے رسالہ کا نام تقویۃ الایمان رکھا، حضرت
شاہ زائد ابو الحسن فاروقی فاضل جامعہ الازہر نے تقویۃ الایمان کا تعاقب کرنے والے
۱۰۰ علماء کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، مولانا غلام محی الدین
قصوری، شاہ احمد سعید مجددی، شاہ فضل الرسول بدایونی جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔
مولوی اسمٰعیل دہلوی ۱۸۳۲ء میں بالاکوٹ کے مقام پر قتل کر دیئے گئے۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ امام احمد رضا پر فرقہ واریت کا الزام لگانے والے اگر
عقل کی دولت سے مالا مال ہوں تو اس پر غور فرمائیں کہ ۱۸۲۲ء میں مولوی اسمٰعیل
دہلوی کی کتاب نے ہنگامہ برپا کیا۔ امام احمد رضا کی پیدائش جون ۱۸۵۶ء ہے۔
اس ۳۴ سال عرصہ کے دوران سینکڑوں علماء اہلسنت تقویۃ الایمان کا رد کر چکے
تھے۔ اعلیٰ حضرت نے مسند ارشاد و فتویٰ ۱۴ سال کی عمر میں سنبھالا یوں نصف صدی کا
عرصہ بن جاتا ہے۔ ایسے عالم میں فرقہ واریت تو امام احمد رضا کی پیدائش سے پہلے
مولوی اسمٰعیل دہلوی پیدا کر چکے تھے۔ آپ نے تو ۵۰ سال بعد فرقہ واریت کو مٹانے
کے لئے ایک نکاتی فارمولا دیا کہ تمام مسلمان حضور اکرم ﷺ کے محبت پر جمع ہو
جائیں آپ نے فرمایا۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے، ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا، آخر گیا

یوں یہ الزام بھی تار عنکبوت سے بھی کمزور نظر آتا ہے بلکہ یہ امر اظہر من الشمس
ہے کہ امام احمد رضا نے فرقہ واریت کو مٹانے کے لئے عشق رسول ﷺ کی شمع قلوب

مومن میں اجاگر کرنے کا فارمولا دیا۔ فرقہ واریت کی اس وباء نے ۱۸۶۷ء میں دیو
بندی کی شکل اختیار کرلی۔ دارالسلام دیوبند سہارنپور کی ایک بستی میں قائم ہونے وا
معمولی مکتب بالاخر ایک مکتبہ فکر میں تبدیل ہوگیا جس نے متحدہ قومیت کو سیاسی بال
پر دیئے مسلم اور ہندو کی تفریق کو مٹانے کی کوشش کی۔ گاندھی اور نہرو سے محبت او
مسلمانوں سے منافرت کی وباؤ پیدا کی۔ اس مکتبہ فکر نے ۱۹۱۹ء میں جمعیت علماء ہند قائ
کی اور ۱۹۳۰ء میں مجلس احرار اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ اسی فکر متحدہ قومیت کے بطن
سے ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی تولد ہوئی جس کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بھی ان
عقائد کے اصل ترجمان تھے۔ اس بارے میں دستور جماعت اسلامی کی دفعہ نمبر ۳ کی
ذیل دفعہ نمبر ۳ قابل مطالعہ ہے کہ جماعت اسلامی کا رکن صرف وہ بن سکتا ہے جس کا
عقیدہ ہو کہ

"اللہ کے سوا کسی سے دعا نہ مانگے، کسی کی پناہ نہ ڈھونڈے، کسی کو مدد کے لئے نہ
پکارے، کسی کو خدائی انتظامات میں ایسا دخیل اور زور آور بھی نہ سمجھے کہ اس کی سفارش
سے قضائے الٰہی ٹل سکتی ہو کیونکہ خدا کی سلطنت میں سب بے اختیار رعیت میں خواہ
فرشتہ ہوں یا انبیاء یا اولیاء۔"

اس دفعہ کی ذیل دفعہ ۶ میں تحریر ہے۔

"رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ
سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اسی معیار کامل
پر جانچے اور پرکھے جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں
رکھے"۔

جب کہ سواد اعظم کا نقطہ نظر واضع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء کو اپنا نائب
اور با اختیار بنایا ہے۔ مولانا مودودی نے اپنی کتاب اسلامی ریاست میں خلیفہ کی شرح

کرتے ہوئے مختلف علماء لغت کے اقوال نقل کیے ہیں کہ خلیفہ جس کا نائب ہوتا ہے کہ اس کے تمام اختیارات کا حمل ہوتا ہے اسی طرح اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ حضور ﷺ کے تمام صحابہ معیار حق ہیں۔ مودودی صاحت کے اس عقیدہ پر دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی اور دیوبند کے ۱۹۹ دیگر اکابر علماء نے ان کی تکفیر کی۔ یوں فرقہ واریت پھیلانے والے امام احمد رضا بریلوی اور ان کے تلامزہ اور مریدین نہیں بلکہ ان کے مخالفین ہیں۔ ۱۹۱۲ء میں تمام علماء دیوبند نے مولانا شبلی نعمانی کو کافر کہا تھا۔ یوں تکفیر کا جھگڑ یوسف کدہ عزت بریلی سے نہیں بلکہ دبستان نجد و دیوبند سے چلا۔ پروپیگنڈہ کا یہ کمال ہے کہ اتنے بڑے مفکرین خود تو متحدین امت بن گئے اور پوری امت کو دعوت اتحاد دینے اور ہر نوع بشر کو محبت رسول کا پیغام دینے والے عظیم مصلح مجدد اور مفسر احمد رضا کو فرقہ واریت کا ماڈل بنا دیا گیا۔

آپ ہی بتلائیں، ہم بتلائیں کیا

تیسرا سوال

امام احمد رضا ہندوستان کی تمام قومی تحریکوں سے الگ تھلگ رہے اس لئے انہوں نے قومی خدمت سے گریز کر کے مسلمانوں پر زیادتی کی۔

یہ سوال بھی پہلے دو سوالوں کی طرح علمی وقعت سے خالی ہے۔ پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں ہندوستان میں تحریکیں کون سی تھیں ۱۹۱۹ء میں آنجہانی گاندھی نے ساز باز کر کے مسلمانوں کو ہجرت پر آمادہ کیا۔ پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک ہوئی۔ گاندھی عیار سیاستدان تھا۔ اس نے ہجرت کے ذریعے ہندوستان کو مسلمانوں سے خالی کرنے اور رام راج قائم کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ گاندھی کی اس عیاری کو بہت سے مسلمان نہ سمجھ سکے۔ مگر امام احمد رضا جو عظیم المرتبت عالم دین تھے اور بلند فکر سیاست آشنا بھی آپ نے گاندھی کی سازی کو بھانپ لیا اور ہندوستان کو رام راج سے بچانے کے لئے مسلمانوں کو ہجرت سے روکا۔ یہ تحریک کی مخالفت نہیں بلکہ مسلمانوں کے وسیع تر مفاد میں امام کو مجددانہ کارنامہ ہے۔ ورنہ آج نہ پاکستان ہوتا اور نہ ہی ہندوستان رام راج سے بچ سکتا۔ آج ہندوستان میں حکومت جیسی بھی آئیگی وہ کٹر ہندوازم کا نعرہ نہیں لگا سکتی۔ سیکولرازم کا نعرہ اس کی مجبوری ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ فیض امام احمد رضا کا ہے۔

بر صغیر میں ایک تحریک ترک موالات ہے یہ بھی کانگریس فکر کے نہاں خانہ دماغ کی پیداوار تھی۔ اس کا مصنی یہ تھا کہ مسلمان انگریز کی بنائی ہوئی تمام چیزوں کا بائیکاٹ کریں۔ انگریزوں کی وہ ذہنیت کار فرما تھی کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد یہاں پر ہندو حکومت قائم ہو جائے۔ امام احمد رضا نے اس سازش کو بھانپا اور فتویٰ دیا کہ مسلمانوں کا دشمن جس طرح انگریز ہے اسی طرح ہندو بھی ہے۔ گویا آج کی سیاسی اصطلاح میں انگریز

ور ہندو دونوں کھوٹے سکے کے دو رخ ہیں۔ اما احمد رضا نے ان دونوں سے بچنے کی تلقین
ی۔ اس سے بھی دو قومی نظریہ کو تقویت ملی۔ متحدہ قومیت کی فکر کی کمر ٹوٹی۔ یوں امام
نے ہندو کی اس تحریک کو پیوند خاک کرکے دو قومی نظریہ کی بنیاد رکھی اور تشکیل
کستان کی پیغام دیا۔ اس تحریک میں امام احمد رضا کے ذاتی دوست اور ہم عقیدہ سیاسی
ئدین حکیم محمد اجمل خان دہلوی، رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر نے امام احمد رضا
ے ملاقات کرکے اس مسئلہ میں تفہیم چاہی آپ نے دلائل سے ان کو قائل کیا۔

امام احمد رضا بریلوی کے زمانے میں ایک تیسری تحریک ذبیحہ گاؤ کی نکلی تھی۔
انگریسی فکر کے محراب فروشوں نے فتویٰ دیا تھا کہ جہاں ہندو ہوں وہاں پر قربانی کے
قت گائے کو ذبح کرنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے فتنہ پڑتا ہے اور فتنہ سے بچنا
ضروری ہے لہذا گائے کو ذبح کرنا غیر اہم ہے۔

امام احمد رضا نے اس باطل ذہن کی تردید کی اور فرمایا کہ ہندو کی وجہ سے ذبیحہ گاؤ
معطل ہوا ہے تو کل ہندو کی کثرت کی وجہ سے اذان اور نماز بھی معطل ہو جائے گی۔
سلامی رسم و رواج اور کلچر بھی معطل ہو جائیں گے پھر مسلمان کی تمیز کیا باقی رہ جائے
گی۔ اس لئے امام نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فکر سے استفادہ کرتے
ہوئے کہ امام اعظم نے فتویٰ دیا تھا کہ جہاں پر معتزلی ہو وہاں حوض سے وضو کرنا افضل
ہے کیونکہ معتزلیوں نے فتویٰ دیا تھا کہ حوض سے وضو نا جائز ہے۔ امام اعظم نے اس
غلط فکر کا رد کیا اور معتزلی کی ذہنی شکست کا سامان کرنے کے لئے اس کی موجودگی
میں حوض سے وضو کرنا ضروری قرار دیا اسی طرح امام احمد رضا نے فتویٰ دیا کہ جہاں پر
ہندو ہو وہاں گائے کا ذبح کرنا افضل ہے تاکہ ہندو کی بالادستی کا ذہنی مقابلہ کیا جائے۔ یہ
تو اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے چہ جائے کہ اس کو مسلمانوں کے خلاف سازش قرار دیا جائے۔
پس امام احمد رضا پر وار ہونے کا یہ اعتراض بھی دم توڑ جاتا ہے۔

امام احمد رضا کی زندگی میں تحریک خلافت نے بھی عروج پایا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ترکی حکمران جو حجاز مقدس پر حکومت کر رہے تھے اور اپنی حکومت کو خلافت قرار دیتے تھے اگرچہ وہ سنی صحیح العقیدہ اور عشق رسول سے وابستہ تھے مگر ان کے طرز حکومت کو خلافت قرار دینا بہر حال قابل توجہ تھا۔ امام احمد رضا نے مسئلہ خلافت پر ایک کتاب لکھی۔ خلیفہ کی شرعی شرائط اوصاف اور اس کی تعریف قلمبند فرمائی جب کہ ترکی حکمران ان شرائط پر پورے نہیں اترتے تھے۔ امام نے برطانیہ کے مقابلے میں ترکوں کی حمائت کرنے کے باوجود لفظ خلافت کی حرمت کا تحفظ کیا اور گاندھی کی اس چال کو ناکام بنایا کہ ہر ایرا غیرا ء خلیفہ ہو سکتا ہے۔ آپ کا یہ کردار دین کے وسیع تر مفاد اور اسلام کے نظام حکمران کے تحفظ کے لئے تھا۔ عدم تعاون کی تحریک بھی اسی فکر کا شعبہ تھا۔ امام نے ان تحریکوں میں مسلمانوں کو انگریز کے خلاف قوت جہاد سے آراستہ کیا۔ خلافت کمیٹی کی بنیاد ۲۱ ستمبر ۱۹۱۹ء کو رکھی گئی۔ تحریک خلاف کا مقصد وہی سلطنت ترکیہ کی سلامتی لور خلیفہ کی حیثیت سے سلطان ترکی کو تسلیم کرنا تھا لیکن حکومت ترکی کو شکست ہوئی۔

۲۸ مئی ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں خلافت کانفرنس کا پہلا جلسہ ہوا۔ امام نے گاندھی کی قیادت میں چلنے والی تحریک خلافت سے مندرجہ بالا وجود کی بناء پر مسلمانوں کو بچایا کہ خلافت خالصتاً اسلامی اصطلاح ہے۔ گاندھی بنیا اپنے ذاتی فائدہ کو اسلام کی مقدس اصطلاع کے پردے میں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یوں امام پر یہ الزام کہ انہوں نے مسلمانوں کی تحریکوں کو نقصان پہنچایا، فضول، دلائل سے خالی، دانش وبرہان سے تہی دامن، عقل وشعور سے بعید اور محض امام احمد رضا سے دشمنی کا شاہکار ہیں۔ امام بریلوی کے ان افکار سے دو قومی نظریہ کی بنیاد مضبوط کی۔ تقسیم ہندوستان کا پیغام دیا اور ملت اسلامیہ کو صرف اپنی بنیاد پر علیحدہ وطن حاصل کرنے کی تلقین کی۔

امام احمد رضا بریلوی کا وصال ۱۹۲۲ء میں ہو گیا مگر ان کا جلایا ہوا چراغ تحریک پاکستان کا رہنما بنا۔ اس چراغ کی روشنی میں مسلم لیگ نے گم گشتہ راہ کو دریافت کیا۔ تحریک پاکستان آغاز ۱۹۴۰ء میں ہوا۔ اس وقت ہندوستان میں دو طبقات فکر وسیع ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ امام احمد رضا کی فکر کے علمبردار مراکز علمی کچھو چھو، مارہرہ، بدایوں، مراد آباد، بریلی، سیال، تونسہ، گولڑہ، علی پور اور دیگر روحانی و علمی مراکز تھے جب کہ تمام مراکز بیک آواز مسلم لیگ کی حمائت کر رہے تھے۔ امام احمد رضا کے خلفاء مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی (امام شاہ احمد نورانی کے والد محترم) شاہ حبیب اللہ میرٹھی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، مولانا ظفر احمد بہاری، علامہ سید ابو الحسنات، علامہ سید ابو البرکات اور آپ کے ہم خیال و ہم عقیدہ حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی، سید آل رسول علی خاں، پیر سید افضل احمد شاہ جلال پور شریف، مجاہد ملت پیر محمد شاہ بھیرہ شریف، مولانا عبدالغفور ہزاروی، سید غلام محی الدین گیلانی المعروف بابو جی گولڑہ شریف ایسے حضرات تھے جو تحریک پاکستان کی حمائت کر رہے تھے۔ انہیں لوگوں میں مولانا محمد بخش مسلم، مولانا غلام محمد ترنم ایسے بے شمار حضرات اہل خطاب اور ارباب منبر و محراب کسی مفاد کی تمنا کے بغیر تحریک پاکستان کی حمائت کر رہے تھے۔

یوں انجمن طلباء اسلام کا یہ نعرہ حقیقت کی شکل میں اجاگر ہوتا ہے۔

اولیاء کا ہے فیضان

پاکستان پاکستان

ختمِ نبوّت پر
عُلمائے اہلسنّت کے
تأثرات
قائدِ اہلسنّت مولانا شاہ احمد نورانی، مجاہدِ ملّت مولانا عبدالستار نیازی
علاّمہ عبدالمصطفےٰ ازہری، مولانا حامد علی خاں، جمیل احمد نعیمی،
پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی،
مولانا ابوداؤد محمد صادق، میاں جمیل احمد شرقپوری،
مفتی سید شجاعت علی قادری، مولانا خلیل احمد قادری،
مفتی مسعود علی قادری
الفہیم پبلی کیشنز
19- فرسٹ فلور، اچھرہ شاپنگ سنٹر فیروزپور روڈ، لاہور